مولانا سید ابوالحسن علیؒ ندوی کے تعلیمی نظریات

محمد نعیم

تعلیم وتربیت کا میدان شروع ہی سے مولانا ابوالحسن علی ندویؒ آپ کی توجہ کا مرکز وموضوع رہا اور متعدد بار آپ کو ممالک اسلامیہ میں اپنے مطالعہ وتجربہ اور غور وفکر کے نتائج پیش کرنے کا موقع ملا۔ آپ کے تعلیمی مضامین اور تقاریر کا ایک مجموعہ "نحو التربیۃ الاسلامیۃ الحرۃ فی الحکومات البلاد الاسلامیۃ" کے نام سے اور دوسرا "پاجا سراغ زندگی" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر تصانیف اور تقاریر میں بھی اس موضوع پر رہنمائی ملتی ہے۔ آپ کے نزدیک تعلیم وتربیت ہی اسلامی ممالک اور مسلمان نسلوں کا مستقبل متعین کرنے والی طاقت ہے. ذیل میں سید ابوالحسن علیؒ ندوی کے چند تعلیمی نظریات پیش کیئے جارہے ہیں۔

ا۔علم: مولانا علی میاں علم کو ایک اکائی سمجھتے ہوئے اس کی دینی اور دنیوی تقسیم کے قائل نہیں تھے، آپ کے الفاظ میں

> "میں علم کو ایک صداقت مانتا ہوں یا ایک ایسا انسانی تجربہ جو کسی ملک و قوم کی ملک نہیں اور نہ ہونی چاہیے میں زندگی کے دوسرے سرچشموں کی بھی جغرافیائی، نسلی، تاریخی یا سیاسی حد بندیوں کا قائل نہیں۔ میں علم کو ایک وحدت مانتا ہوں اور جس کو کثرت کہا جاتا ہے اس کثرت میں بھی مجھے وحدت نظر آتی ہے۔ علم کی وہ وحدت سچ کی تلاش ہے علمی ذوق ہے اور اس کو پانے کی خوشی ہے۔" (۲)

> "میں کبھی اس کا قائل نہیں رہا کہ علم جدید اور قدیم ہوتا ہے علم ہمیشہ تازہ ہی ہوتا ہے وہ جس کو آپ قدیم کہہ رہے ہیں اپنے زمانے میں بالکل جدید تھا

جسے آپ جدید کہہ رہے ہیں بالکل ممکن ہے وہ پچاس برس بعد ایسا قدیم ہو جائے کہ اسکا نام لینا بھی بڑے عیب اور شرم کی بات ہو جائے۔ (۳)

۲-علم الٰہی اور علم انسانی

قرآن کا سرچشمہ اور ماخذ "علم الٰہی" ہے اور اس کے نزول کا ذریعہ "وحی الٰہی" ہے۔ یہ سرچشمہ ہر قسم کے عیب و نقصان، شک و اشتباہ، ظن و تخمین، تدریج و ترقی اور تعارض و اختلاف سے پاک ہے۔ اس میں جو کچھ ہے وہ یقینی اور قطعی ہے۔ (۴)۔

اس کے مقابلے میں انسانی علم کا سرچشمہ یقینی طور پر محفوظ اور بے عیب نہیں اس کا ماخذ اور اس کی بنیاد اکثر ظن و قیاس ہے، اس کے ذرائع علم بھی نہایت محدود ہونے کے باوجود کبھی اتنے قوی نہیں جتنے پیغمبر کے ذرائع۔

انسان کے پاس علم کے لیے سب سے بہتر ذرائع اس کے حواس خمسہ ہیں، جو علم ان کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے وہ بدیہی ہے۔ عقلیات میں بھی اس کے علم کی بنیاد دراصل محسوسات ہی ہیں۔ انہیں علوم و ادراک کو انسان مقدمہ بنا کر ایسا نتیجہ نکالتا ہے جو اس کو حواس کے ذریعہ پہلے سے نہیں معلوم تھا، لیکن حواس کا بھی یہ حال ہے کہ وہ کبھی ناقص ہوتے ہیں، کبھی خطا کرتے ہیں۔ عقل کا یہ حال ہے کہ اس کے مدارج میں بے انتہا تفاوت ہے، پھر اس سب کے بعد بھی انسان کا علم اپنے محدود دائرہ میں بھی پورے طور پر حاوی اور کامل نہیں اور محسوسات کو بھی ایک فرصت میں محیط نہیں، عالم مادیات کے کتنے مسائل ہیں جو ابھی تک حل نہیں ہوئے اور اختلاف رائے کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں پھر اس کے علم میں تدریج اور اس کی معلومات میں ترقی ہے اور اس ترقی کی حد کبھی بھی متعین نہیں، حد کا تعین اسکے نقصان علم کا اعلان اور حد کا عدم تعین اس کے علم کے مشتبہ اور غیر مکمل ہونے کی دلیل ہے اور دونوں نقص اور شبہ سے خالی نہیں۔

یہ بھی سب عالم مادیات کا حال تھا جس کے ذرائع علم تھوڑے بہت انسان کو حاصل ہیں، مابعد الطبعیات کی ایک پوری دنیا ہے جو مادیات کی دنیا سے کہیں زیادہ وسیع ہے۔ یہ پوری دنیا علم انسانی کی حدود سے باہر ہے، انسان کو خود اپنی حقیقت کا علم نہیں، اس کی ابتداء اور انتہا اس کے لئے نامعلوم ہے، اس عالم کا آغاز اور اختتام اس کے لیے ایک راز ہے اور " عقل کو خود اپنی گرہ کی عقل نہیں "۔

پھر خدا کی خوشی اور ناخوشی کا تفصیلی اور یقینی علم اور اس کے اوامر واحکام کی اطلاع اس کے بتائے بغیر محض ظن، قیاس اور سلامت فطرت سے نہیں ہوسکتی، خود ایک انسان دوسرے انسان کا دلی منشا اور اسکے احکام ہمیشہ قیاس، فراست یا سلامت فہم سے معلوم نہیں کرسکتا.

اسی طرح قانون سازی اور سیاسی اور اخلاقی نظام کی تشکیل میں وہ ہزاروں غلطیاں کرے گا ،ایک ماخذ نہ ہونے کی وجہ سے مختلف نظاموں اور قوانین کا تصادم ہوگا، قانون سے ٹکرائے گا اور قومیں ان کی خاطر قوموں سے نبرد آزما ہوں گی، مختلف خواہشات اور مصلحتیں ایک دوسرے سے متصادم ہوں گی، علم کے قطعی اور آخری نہ ہونے کی وجہ سے یہ انسانی دستور ونظام تجربہ اور آزمائش کے ہزاروں مرحلوں سے گزریں گے۔اخذ ورد اور ترجیح اور تقابل کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہے گا، انقلاب واصلاح کی ہزاروں تحریکیں اٹھیں گی اور انسان کو کبھی اطمینان وسکون حاصل نہ ہوگا۔ان تمام خرابیوں کا سرچشمہ انسان کا علم ہے جو ناقص اور ظنی ہے اور اس پر اس کا اعتماد ہے جو اس کا ظلم وطغیان ہے۔(۵)۔

۳-نصاب

"نصاب تو درحقیقت اس ملکہ خاص کا ضامن ہے جو انسان کی زندگی میں قدم قدم پر رہنمائی و قیادت کا کام انجام دے سکے، اور انسان کے اندر اتنی استعداد پیدا کردے کہ وہ کتابوں سے فائدہ اٹھا کر نتائج اخذ کرسکے، وہ زندگی کے تمام تقاضوں اور ضروریات کی تکمیل کا ضامن نہیں ہوتا۔(٦)

۴-مدرسہ

(دینی) مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں۔مدرسہ عالم اسلام کا بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہے جہاں سے اسلامی آبادی، بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے۔مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں قلب ونگاہ اور ذہن ودماغ ڈھلتے ہیں.مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے، عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں۔مدرسہ کا تعلق کسی تقویم، کسی تمدن، کسی عہد، کسی کلچر، کسی زبان وادب سے نہیں کہ اس کی قدامت کا شبہ اور اس کے زوال کا خطرہ ہو، اس کا تعلق براہ راست نبوت محمدی سے ہے، جو عالمگیر بھی ہے اور زندہ جاوید بھی۔اس کا

تعلق اسی انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں دواں ہے، مدرسہ درحقیقت قدیم و جدید کی بحثوں سے بالاتر ہے وہ تو اسی جگہ ہے جہاں نبوتِ محمدی کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت دونوں پائے جاتے ہیں۔(۷)

۵- جدید نظام تعلیم کا نقص

آج یونیورسٹیوں میں کہرام مچا ہوا ہے کہ شاگرد ادب نہیں کرے اور استاد شفقت و ہمدردی نہیں برتتے، تمام لوگ اس سے پریشان ہیں اور اس کی اصلاح کی طرح طرح کی کوشش ہوتی ہیں، لیکن اس کی جڑ اور بنیاد پر غور نہیں کیا جاتا کہ تعلیمی نظام جس کا سارا ڈھانچہ مادہ پرستی پر ہو۔ ا ۔ راس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں؟ یہ تمام برائیاں تو متوقع نتائج ہیں۔ اس نظام تعلیم کے۔ تمہارا ادب، تمہارا آرٹ، نفسانی خواہشات کو بیدار کرتا ہے اور انسان کو "موقع پرست (Opportunist) بناتا ہے اور پھر تمہارا ماحول ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے کہ خواہشات اور خودغرضیوں کی تسکین ہو سکے، وہ تمہیں دولت مند ساہوکار بننے کا جذبہ دیتا ہے۔ اس وقت ضرورت ضمیر اور ذہن بدلنے کی ہے، ان کے بدلے بغیر تبدیلی نہیں ہو سکتی۔(۸)

۶- نئ علمی تنظیم کی ضرورت

عالم اسلام کے لیے ضروری ہے کہ علم کی اس طرح تنظیم جدید کرے، جو اسکی روح اور اس کے پیغام سے مطابقت رکھتی ہو۔(۹) عرب اور مسلم حکومتوں میں نظام تعلیم کی تشکیل گہرے غور و فکر اور خاص منصوبہ بندی کی بنیادوں پر ہونی چاہیے، جو اسلام کے عقیدہ اور پیغام کے مطابق ہو کیونکہ تعلیم ہی پر آنے والی نسلوں اور قوم کے دینی و اخلاقی مستقبل اور تہذیبی رجحانات کا مدار ہے.(۱۰)، وقت کا تجدیدی کام یہ ہے کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں اسلام کے اساسات و عقائد، اس کے نظام و حقائق اور رسالت محمدی پر وہ اعتماد واپس لایا جائے جس کا رشتہ اس طبقے کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔ اس فکری اضطراب اور ان نفسیاتی الجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے جن میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بری طرح گرفتار ہے اور اس کی عقلیت اور علمی ذہن کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے، آج کا سب سے بڑا اجہاد یہ ہے کہ جاہلیت کے وہ بنیادی افکار، جو دل و دماغ میں گھر کر گئے ہیں، ان سے علم اور عقل کے میدانوں میں نبرد آزمائی کی جائے، یہاں تک کہ اسلام کے اصول و مبادی پورے ایمانی جذبات کے ساتھ ان کی

جگہ لے لیں۔(۱۱)

مولانا مرحوم نے مسلمانوں کے موجودہ نصاب تعلیم کی از سر نو تشکیل پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے کہ "اس کو مسلمان اقوام کے عقائد و مسلمات اور مقاصد اور ضروریات کے مطابق بنایا جائے اس کے تمام علوم و مضامین سے مادہ پرستی، خدا بیزاری، اخلاقی و روحانی اقدار سے بغاوت اور جسم پرستی کی روح نکال کر اس میں خدا پرستی، خدا طلبی، آخرت کوشی، تقوی شعاری اور انسانیت کی روح پیدا کی جائے زبان و ادب سے لے کر فلسفہ و نفسیات تک اور علوم عمرانیات سے لے کر معاشیات و سیاسیات تک سب کو ایک نئے سانچہ میں ڈھالا جائے (۱۱، الف)۔

۶۔ تعلیم نسواں

اہمیت و نزاکت میں مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی کچھ کم نہیں ہے، یہ قصہ بھی بڑی دانشمندی، ذہنی و فکری جرأت اور تعلیم نسواں کے چلتے ہوئے مفہوم کی تقلید سے آزادی کا طالب، ہے۔ تعلیم نسواں کے موجودہ نظام کو مغربی اور مشرقی ملکوں نے ان حالات میں اپنایا جو ہمارے حالات سے قطعاً مختلف ہیں۔ ہمارے ملکوں میں اس سلسلہ میں ایسی منصوبہ بندی کی ضرورت ہے جو ایجاد و اختراع، جرأت و ذہانت پر مبنی ہو۔

اقوام و ملل کی تاریخ شاہد ہے کہ ان کے زوال و انحطاط کا سب سے بڑا سبب جس نے ان قوموں کو نیست و نابود کر دیا ہے اور بڑی عظیم تہذیبیں فنا کے گھاٹ اتر گئی ہیں، نظام کی ابتری، گھریلو زندگی کا عدم توازن اور عورتوں کی اس سے عدم دلچسپی، اس کا ذمہ داریوں سے فرار، بے حیائی کی حد تک بے پردگی اور جاہلی زینت و آرائش ہے، ہم نے زوال آمادہ اور انحطاط پذیر معاشروں اور تباہی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی قوموں میں ہمیشہ یہ مرض پھیلتے دیکھا ہے، جہاں عورتیں گھریلو زندگی اور اس کی ذمہ داریوں سے کترانے لگتی ہیں اور فرائض مادری سے پہلو تہی کرنے لگتی ہیں، ان معاشروں میں عورتیں ان تمام ذمہ داریوں سے الگ رہ کر مردوں جیسے کام اور ان کی سرگرمیوں میں شریک ہونے لگتی اور ان کے دوش بدوش چلتے ہوئے زندگی کے تمام میدانوں میں ان سے آگے بھی نکل جانا چاہتی ہیں، مغربی معاشرہ نے بھی یہی روش اپنائی جس کے نتیجہ میں خاندانی نظام اور معاشرتی توازن درہم برہم ہو گیا، اب مغرب کے ماہرین

عمرنیات جرأت وصفائی کے ساتھ اپنی غلطی کا اعتراف کرر ہے ہیں، لیکن اب معاملہ ان کے ہاتھوں سے نکل چکا ہے پانی سر سے اونچا ہو گیا اور پیمانہ حیات جھلک پڑا ہے اور وہ اس تہذیب کے قریبی خاتمے پر پریشان وہراساں ہیں.

اب کسی بھی مشرقی ملک میں اس نظام کی نقل اور اس ناکام تجربہ کا دہرانا ملک کی سالمیت اور شخصیت ودعوت کو خطرہ میں ڈالنا ہے، اس لیے ہمیں ان تجربوں سے عبرت حاصل کرنا اور خاص طور پر ان ملکوں میں اس کے اعادہ کی کوشش سے بچنا چاہیے جن پر اسلام کے مستقبل کا انحصار ہے "السامیہ من وعظ نصیرہ" (خوش وہ ہے جو دوسروں کے حال سے عبرت ونصیحت اختیار کرتا ہے)۔(۱۲)

۷۔ تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ میں ہم آہنگی کی ضرورت

تعلیمی اداروں اور ذرائع ابلاغ کے درمیان ہم آہنگی نہ ہونے کے سبب، ہمارے اسلامی معاشرہ میں مسلم نوجوان فکری انتشار اور تباہ کن تعطل کے دور سے گزرر ہے ہیں اور اس نے مصلحین، معلمین اخلاق کی مہم کو مشکل تر بنا دیا ہے اور تعلیم و تربیت سے وابستہ ومنسلک لوگوں کو بعض اوقات یہ سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ کہیں یہ ساری سعی و جانفشانی" کوہ کندن و کاہ بر آوردن" کے مترادف تو نہیں ہے؟

آج کا مسلمان نوجوان ایک تلخ تجربہ اور خطرناک کشمکش سے گزر رہا ہے، وہ وزارت نشریات، صحافت اور ٹیلیویژن سے انتشار انگیز ترغیبات ورہنمائی سے دوچار ہوتا ہے اور ایسے نشریاتی پروگرام سنتا ہے. جو اسلامی تربیت کے بچے کھچے اثرات کو بھی مٹا دینے پر تلے ہوتے ہیں، اس طرح وہ اس میں فکری بغاوت اور نفسیاتی اضطراب پیدا کر دیتے ہیں۔ اخبارات ورسائل صبح صبح اسے متعفن ومسموم غذا فراہم کرتے ہیں اور کچھ اور پڑھنے سے پہلے جذبات کو برانگیختہ کرنے والا سامان مہیا کر دیتے ہیں چنانچہ سب سے پہلے جن چیزوں پر اس کی نگاہ پڑتی ہے وہ شہوانی تصویریں، ہیجان پرورعنوانات، شک وشبہ پیدا کرنے اور ایمان ویقین کو کمزور کرنے والے مقالات ہوتے ہیں، جنہیں وہ شوق ورغبت کے ہاتھوں سے لیتا ہے پھر اس کے ہاتھوں میں ایسی علمی کتابیں آجاتی ہیں، جن کے نام اور عنوانات بھاری بھرکم اور مرعوب کن ہوتے ہیں اور جوان لوگوں کے قلم سے نکلی ہوتی ہیں جن کے فضل وکمال پر اس نوجوان کا ایمان ہوتا ہے! اسی

طرح وہ ایسا مواد پڑھتا ہے جو اس کے لیے دین، تاریخ اسلام، شریعت اسلامی ہی کے نہیں، بلکہ زبان و ادب کے بھی اولین سرچشموں و ماخذوں کو بھی مشکوک ومشتبہ قرار دیتا ہے اور اسے اس امت کی صلاحیت، اس کے پیغام کی ابدیت اور عربی زبان کی اہلیت وصلاحیت کی طرف سے شک میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ افکار وخیالات اور علمی نظریات کے اس عجیب وغریب "آمیزہ" کو پانے کے بعد ایسی حیرانی میں مبتلا ہو جاتا ہے جس کے مقابل میں کوئی حرانی نہیں ہوتی اور کوئی تعجب نہیں اگر پختہ فکر اور صاحب عقل ورائے انسان بھی حیرت میں پڑ جائے، چہ جائیکہ ایک خام فکر اور نوعمر، جس کے شعور کی آنکھیں بھی نہیں کھلیں، اس سے یہ امید کیسے کی جاسکتی ہے کہ وہ متصادم دھاروں کے آگے ٹھہر، سکے گا۔ اس کے ساتھ تفریحی سامان کی کثرت اور بے مقصد اور ہیجان خیز ریڈیو اور ٹیلی ویژن پروگرام بھی مشرق ومغرب کے ماہرین تربیت اور نوجوانوں کے مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے فکر وتردد کا باعث بن گئے ہیں۔ اس زیادتی نے نوجوانوں کو صبر وسنجیدگی مطالعے کی یکسوئی اور طالب علمانہ تیاریوں کے بجائے تفریح وآرام طلبی اور ہر اس چیز سے فرار سکھایا ہے جو محنت ومشقت اور دیدہ ریزی کی طالب ہو، اس صورت نے بہت سے ماہرین تربیت ونفسیات کو اس اعتراف پر مجبور کر دیا ہے کہ اس رجحان نے بہت سے نوجوانوں کو مہم جوئی کے طور پر لوگوں کی جان ومال سے کھیلنے پر آمادہ کر دیا ہے اور زمام کار ماہرین تربیت اور خاندان کے سرپرستوں کے ہاتھ سے نکل گئی ہے۔ تعلیمی معیار حد درجہ پست ہو گیا ہے کیونکہ ان پروگراموں نے اس کے وقت ومحنت کا بڑا حصہ گھیر لیا ہے، یہ ایسا مسئلہ بن گیا ہے جو ماہرین تعلیم وتربیت کی پوری توجہ، فوری حل اور کامیاب علاج کا طالب ہے۔ (۱۳)

۸۔ تعلیم وتربیت کے لیے باعمل نمونوں کی ضرورت

عملی نمونوں، اونچے طبقہ میں کفایت شعاری، سادگی وایثار کی نظیروں، اہل علم میں رضا کارانہ اور لوجہ اللہ خدمت اور قربانی کی مثالوں کی ضرورت ہے۔ اسوۂ حسنہ کے ایسے نمونے ہر قوم اور ہر زمانہ میں اپنا نفسیاتی اثر رکھتے ہیں، گزشتہ نسلوں میں انہوں نے زندگی اور جوان مردی کی روح پھونکی تھی اور جس کے سبب صف اول کے علماء واہل قلم، مفکرین ومحققین، مصلحین ومجددین، دیکھنے میں آئے۔ جنہوں نے اللہ کے لیے تعلیم وتدریس اور اصلاح وتجربہ کا کام کیا اور دنیا سے کسی صلۂ وانعام کے طالب نہیں ہوئے۔ ان

میں ایسے بلند قامت مفکر اور عبقری بھی ہوئے جنہوں نے بہت سے مواقع پر تاریخ کا رخ پھیر دیا۔ لیکن موجودہ مدرسوں اور یونیورسٹیوں کے فارغ افراد تو بہتے دھارے کے ساتھ ہو گئے۔ اور زمانہ کی ہوا اور معاشرہ کے اس رجحان کا ساتھ دینے لگے کہ اپنے لیے بہتر مستقبل اور خوشگوار زندگی کے رستے کیسے ہموار کئے جائیں اور اس مرض کا شکار ہو گئے اور ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جس کے لیے (Carierrist) کا خطاب ہی زیادہ مناسب حال ہے۔ (۱۴)

حواشی وماخذ

۱۔ آپ کی تیار کردہ نصابی کتب میں "مختارات من ادب العرب "(یہ کتاب قرن اول سے قرن حاضر تک کے عربی نثر کے نمونوں پر مشتمل ہے)، "القرأة الراشدة" (تین حصوں پر مشتمل کتاب میں اس بات کا اہتمام ہے کہ کوئی سبق دینی موعظت سے خالی نہ ہو)، "قصص النبیین للاطفال" (پانچ حصوں پر مشتمل اس کتاب میں بچوں کے لیے ایسی رہنمائی کا سامان ہے کہ ان کے دلوں میں کفر وشرک سے نفرت، ایمان وتوحید کی محبت اور انبیاء علیہم السلام کی عظمت غیر شعوری طور پر راسخ ہو جائے)، نیز آپ نے علی گڑھ یونیورسٹی کے بی۔اے کے نصاب کے لیے بھی "دینیات" کی ایک کتاب لکھی۔

۲۔ ندوی، ابوالحسن علی: حدیث پاکستان صفحہ ۸۳، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

۳۔ ندوی، ابوالحسن علی: مغرب سے کچھ صاف صاف باتیں، صفحہ ۱۵۰، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

۴۔ ندوی، ابوالحسن علی: مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی، صفحہ ۲۰، مجلس نشریات اسلام، کراچی، ۱۹۹۳ء۔

۵۔ ندوی، ابوالحسن علی: مطالعہ قرآن کے اصول ومبادی، صفحہ ۹۴۔

۶۔ ایضاً ندوی، ابوالحسن علی: پاجا سراغ زندگی، صفحہ ۶۷، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

۷۔ ایضاً ندوی، ابوالحسن علی: پاجا سراغ زندگی، صفحہ ۹۴۔

۸۔ ایضاً ندوی، ابوالحسن علی: تعمیر انسانیت، صفحہ ۸۸، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

۹۔ ایضاً ندوی، ابوالحسن علی: انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، صفحہ ۳۵۱، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

۱۰۔ ندوی، ابوالحسن علی: حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب، صفحہ ۹۳، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۹۷۹ء۔

۱۱۔ ندوی، ابوالحسن علی: نیا طوفان اور اس کا مقابلہ، صفحہ ۱۶، ادارہ اسلامیات، لاہور۔

۱۲۔ ندوی، ابوالحسن علی: مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش صفحہ ۲۵۳، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

۱۳۔ ندوی، ابوالحسن علی: حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب، صفحہ ۸۹، مجلس نشریات اسلام کراچی۔ ۱۹۷۹ء

۱۴۔ ندوی، ابوالحسن علی: حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب، صفحہ ۸۷، مجلس نشریات اسلام کراچی، ۱۹۷۹ء۔

۱۵۔ ندوی، ابوالحسن علی: نیا طوفان اور اس کا مقابلہ صفحہ ۱۶، ادارہ اسلامیات۔

۱۶۔ ندوی، ابوالحسن علی: نیا طوفان اور اس کا مقابلہ صفحہ ۱۶، ادارہ اسلامیات۔

۱۷۔ ندوی، ابوالحسن علی: دریائے کابل سے دریائے یرموک تک، صفحہ ۲۶۵، مجلس نشریات اسلام، کراچی۔

☆☆☆